

مجھے تو کوئی گریاں کوئی حیراں کوئی سوزاں

کسی کے بھیس میں ہم بھی تیری محفل میں رہتے ہیں۔

یگم صاحبہ کی سرکار میں بڑے نواب کے انتقال کے بعد کسی قسم کا تغیر نہ ہوا تھا۔ وہی پرانی محلدار

رہی۔ وہی بڑے داروغہ صاحب۔ وہی دقیا نویں دیوانہ۔ اور سب سے بڑھ کے ہمارے مکرم دوست

کریم خاں جدید ملازموں میں ایک بنی مغلانی اور ایک چٹھی نویں تھیں۔ یہ بنی مغلانی اور چٹھی نویں اس

عورتوں میں سے تھیں جو بڑے نواب کے سوم کے دن بطور تعزیت آئی تھیں۔ اور سب لوگ جو اس

تقریب سے آئے تھے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ مگر یہ دونوں عہدگیا اتفاقاً چہلم تک کے لئے رہ گئیں۔

اور اپنی چالاکی اور کارکناری سے یگم صاحبہ کے مزاج میں اس قدر خیل ہو گئیں کہ چہلم کے بعد جب انھوں

نے گھر جانے کا قصد ظاہر کیا تو یگم صاحبہ نے روک لیا۔ یہ دونوں عورتیں آئی تو تھیں بطور مہمان۔ مگر

پہلے سے ارادہ لازمیت کا تھا اس لئے ہر کلام میں دخل دینا شروع کیا۔ اگرچہ یگم صاحبہ خوشامد پسند نہ

تھیں اور نہ ایسے لوگوں سے خوش ہوتی تھیں جو عوام خواہ دخل در محفولات کے عادی ہوتے ہیں۔ لیکن

بڑے نواب کے مرنے کا صدمہ ایسا نہ تھا کہ اس سے طبیعت میں کسی قدر ضعف نہ آجاتا۔ یہی ضعف طبیعت

ان دونوں کے حق میں مفید ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عورتیں نہایت تجربہ کار اور سلیقہ شوار تھیں

بنی مغلانی کا سن اب چالیس سے کچھ اوپر تھا۔ نصیر الدین حیدر بادشاہ کے زمانہ کے واقعات ان کو

اس طرح یاد تھے جیسے کل کی بات۔ چٹھی نویں تیس اور چالیس کے درمیان تھیں۔ کاٹھی اچھی تھی۔

اس لئے جو ان معلوم ہوتی تھیں۔ دونوں ایک ہی محلہ کی رہنے والیاں تھیں۔ اور باہمدگر کچھ رشتہ

تھیا یا نہ تھا۔ مگر چٹھی نویں مغلانی کو خالہ کہتی تھیں اور دونوں میں اتحاد بھی اس طرح کا تھا کہ یہ

رشتہ اگر درحقیقت نہ تھا تو اس کا ظاہر کیا جانا ضروری تھا دونوں ایک جان اور دو کالب تھے چٹھی

نویں نوشت و خواند میں پختہ کار تھیں۔ مغلانی پڑھی لکھی تھیں۔ مگر حد کی زبان آدر۔ دونوں علم مجلس

میں طاق۔ اور امیرزادیوں کے دل بہلانے میں مشاق تھیں۔ تمیزداری۔ سلیقہ شکاری۔ بات چیت

کا قرینہ۔ مزاج شناسی یہ سب اوصاف ان دونوں میں جمع تھے۔ اگر ایک ان میں سے کسی صفت میں کم

تھی تو دوسری نے اُس نقصان کو پورا کر دیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم تھیں۔ مثلاً  
 مغلانی ناخواندہ تھیں۔ چھٹی نوپس خواندہ چھٹی نوپس کو سلائی کے کام میں دخل نہ تھا۔ مغلانی اس  
 فن میں یکتا تھیں۔ مغلانی کو بلائے مغلانی کی زیارت سے شرف ہو چکا تھیں۔ سفر دریا کا ان کو تجربہ تھا چھٹی  
 نوپس حیدر آباد۔ کلایہ۔ ہو آئی تھیں۔ کئی سال تک دیسی ریاستوں کی سرکرائیں تھیں ایک سال بھر  
 مٹیابرج میں رہی تھیں۔ وہ کہانی خوب کہتی تھیں۔ ان کو سیکڑوں شرنوک زبان تھے۔ یہ حدیث خوب  
 پڑھتی تھیں۔ وہ نور خوانی میں کمال رکھتی تھیں۔ غرضکہ ہر بات میں جوڑ کا توڑ تھا۔ دونوں مضاف  
 مضاف الیہ کی طرح حکم واحد میں تھیں۔ اگرچہ بظاہر دو تھیں۔ بیگم صاحبہ سے جس قدر ان کا قرب زیادہ  
 ہوتا تھا اور ملازمین کا رشک بڑھتا جاتا تھا۔ بیگم صاحبہ خود عقیل اور فہمیدہ تھیں۔ کوئی وجہ مقول  
 نہیں ہے کہ اگر نوکر حسب مرضی کام کرے تو مالک کی توجہ اُس پر زیادہ نہ ہو۔ بیگم صاحبہ کے مزاج میں کسی  
 قدر جزور سی ضرورت تھی۔ اُسی کے مناسبہ ان میں زیادہ طلبی نہ تھی۔ پھر کیونکر نہ بھتی۔ مرشد سے اور  
 ان دونوں عورتوں سے کسی نہ کسی طرح کا رشتہ باطنی ضرور تھا۔ مگر اس قدر باریک اور خفی کہ کلاں بین  
 یا خور دین سے بھی مشکل نظر آئے مزید برآں یہ کہ خاص بیگم صاحبہ اور ان کے لواحقین سے اس کے پوشیدہ  
 رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس سے مرشد اور خلیفہ کو صرف یہ فائدہ پہونچتا تھا کہ اگر احیاناً ان کا  
 ذکر بیگم صاحبہ کے روبرو آئے تو کلمات مناسب سے ان کی مدح و تعریف کریں یا اگر کوئی دراندازان  
 کی بات میں کچھ قدح کرے تو اس کی تردید ملائم ہو جا یا کرے خلاصہ یہ کہ مرشد کا اثر انداز سے باہر تک  
 پھیلا ہوا تھا۔ اور پھر اس پوشیدگی کے ساتھ کہ سیاد اپنے دام کو بھی اس طرح نہیں چھپا سکتا۔  
 حکم صاحب کو اگرچہ اور جال بند یوں کی اطلاع کا حق نہ تھی۔ مگر اتنا ضرور جانتے تھے کہ وہاں مرشد  
 کا پھیرا ان کے حق میں سخت مضرب ہے۔ حکم صاحب کو یہ معلوم ہوا تھا کہ مرشد نے مہری کو ان کے گھر سے جاتے  
 دیکھ لیا ہے اس دن سے اور بھی کھٹکنے لگے۔ مگر پھر بھی انھیں اپنے زور بازو پر غرہ تھا۔ اور مہری کی  
 چرب زبانی اور مہری کے ساتھ اپنے حسن سلوک سے ان کو پوری امید کامیابی کی تھی۔

برسات کے دن ہیں۔ کئی دن سے مینہ کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ آج میرے گھر کو خدا کر کے ذرا بارش  
 کم ہوئی ہے۔ ہلکے ہلکے بوندیاں ابھی پڑ رہی ہیں۔ اس قدر تخفیف بارش نے دلوں کو میرے آمادہ کیا ہے  
 چھوٹے نواب کی ڈکڑی تیار ہوئی نواب صاحب اور خلیفہ جی دونوں سوار ہو کر بادشاہ باغ کی سر کرنے  
 کو گئے۔ یہاں ایک آفت تازہ کا سامنا ہوا۔ ایک شاہد بازاری سے چھوٹے نواب کی آنکھ لڑی۔ چھوٹے نواب  
 صاحب کو اگرچہ سلفہ حسن بدلتی کا نہ تھا۔ نہ ایسے خوش نظر تھے مگر نا تجربہ کار امیر زادے جب مطلق العنان ہوتے  
 ہیں اور مفت کی دولت ہاتھ آتی ہے تو انھیں سوائے اس کے کوئی فکر ہی نہیں ہوتی کہ اس کے لٹانے  
 کا کوئی بہانہ ہاتھ آئے۔ اس قسم کے بہانے طبیعت خود اختراع کیا کرتی ہے۔ دوست آشنا۔ نوکر چاکر  
 ان کی تلاش میں رہتے ہیں۔ مثلاً آج آخر ہفتہ ہے۔ چلے پیکالین کے نیلام میں چلیں۔ وہاں گئے بے کار  
 بے مصروف چیزیں خریدیں۔ وہ چیزیں کہ ان کی ضرورت کبھی تھی۔ اور نہ ہوگی۔ اور جہاں پر لاکے  
 ڈال دی گئیں۔ وہاں سے اگر انھیں کی تو اسی دن انھیں گئی۔ جب قرض خواہ مہاجن انھیں  
 قرض میں لے جائے گا۔

الفیڈ کپنی شہر میں آئی ہے اچھا تو جس دن سے وہ تماشہ کریں اور جس دن تک ختم ہو وہاں سب کو  
 بلا ناغہ شریک ہونا فرض عین ہے۔ دس دس ٹکٹ خاص درجے کے لافز آنہ خریدے جاتے ہیں بلکہ  
 ایک ماہ کے لئے معاملہ کر لیا۔ یا مثلاً کوئی فلاں بالی جی گواہ سے آئی ہیں۔ اچھا تو ان کا مجرا دیکھنا واجب  
 ہے چلے دو چار سو اسی طرح خرچ ہو گئے۔ یا مثلاً کوئی شاہد بازاری نیا نیا بازار میں آئے اُسے نوکر  
 رکھنا لازم ہے۔ دو چار مہینے کے لئے نوکر رکھ لیا۔ ہزار دو ہزار روپے صرف ہو گئے۔ شہر بھر میں شہرت  
 ہو گئی۔

واقعی دولت کے لٹانے میں ایک لطف خاص ہے جب درحقیقت کسی قسم کی تقریب کی ضرورت نہیں  
 شراب۔ رنڈی۔ ناچ۔ رنگ۔ سروٹکار کھیل تماشے یہ سب بہانے ہی بہانے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا  
 جائے تو دولت لٹانے والوں کو ان چیزوں سے زیادہ خط نہیں سنا۔ اس قسم کی شوقینیاں کفایت شوق  
 سے بھی ہو سکتی ہیں۔ بلکہ جو اس کرتے ہیں وہی زیادہ مزے اڑاتے ہیں۔ مگر روپیہ جن کے ہاتھ میں

کاٹا ہے وہ کیا کریں اُن کو تو اُسی کے پھینکنے میں مزہ آتا ہے ہمارے چھوٹے نواب صاحب اس مرض میں مبتلا تھے۔ ایک رنڈی پہلے ہی سے نوکر تھی خورشید اور وہ اس میں شک نہیں کہ ضرورت سے زائد تھی اب اسے دیکھ کے اس کے نوکر رکھنے کی فکر ہوئی اس مصروف بجا اور ہوس بیہودہ کا علاج کیا ہے۔ مرشد اور خلیفہ جی جو بظاہر ناصح مشفق بنے ہوئے تھے اُن کا یہ منشا تھا کہ دولت کے بہاؤ کا ایک ہی رُخ کر دیا جائے اور وہ رُخ اپنے گھر کی طرف ہو۔

جب بادشاہ باغ میں اُس شاہد بازار سے نواب کی آنکھیں لڑیں اور نواب صاحب نے ریشہ دوانی اور سلسلہ جنبانی کا قصد کیا تو سب سے پہلے یہ قصد اُس سے بیان ہونا تھا جو اس وقت اُن کے پہلو میں تھا یعنی خلیفہ جی سے۔ خلیفہ جی نے پہلے تو ناصح مشفق بن کے منع کیا اس منع کرنے سے یہ منشا نہ تھا کہ نواب صاحب بازار آئیں۔ بلکہ چلی ہوئی طبیعت کو زیادہ تر برا نگینہ کرنا تھا۔ جب نواب صاحب کا میلان طبیعت زیادہ دیکھا تو خود ہی چارہ ساز بن گئے۔ گاڑی سے اترے ایک ملازم کو بھیج کے اُس کی ناکہ سے علیحدہ بلا کے کچھ ادھر ادھر کی باتیں کر کے چلے آئے۔

جب خلیفہ جی اور ناکہ سے گفتگو ہوا کی نواب نہایت ہی شوق سے انتظار کرتے رہے۔ ہزاروں دعا مانگیں سیکڑوں منیتیں مانیں۔ مگر افسوس کہ خلیفہ جی نے کسی مصلحت کی بنا پر اس حسرت کو پورا نہ ہونے دیا۔

خلیفہ۔ (نواب صاحب سے) پانچ سو روپیہ ماہوار مانگتی ہیں۔

چھوٹے نواب۔ (پانچ سو روپیہ کا نام سُن کے کسی قدر مایوس سے ہو گئے۔ اس لئے کہ اگرچہ دولت کافی تھی مگر وہ سب یکم صاحبہ کے قبضہ میں تھی قانوناً نابالغ تھے۔ پانچ سو روپیہ ماہوار کی رنڈی نوکر رکھنے کا مقدور تھا نہ جراثیم) اچھا دو ایک شب کے لئے آئیں۔

خلیفہ۔ میں نے بغیر آپ کے کہے کہا تھا۔ وہ راضی نہیں ہوتیں۔ خدا کی قدرت پانچ سو روپیہ ماہوار سو روپے پر تو کوئی پوچھے گا نہیں۔ آپ کا نام سُن کے منہ پھیلاتی ہیں۔ حضور کیا یہی رنڈی ہے اور سیکڑوں منیتیں۔

نواب (ایک زیر لب آہ کر کے) جانے دو۔

خلیفہ۔ پھر کیا کیا جائے۔ پانچ سو روپیہ بھی ممکن ہے۔ مگر اس لیاقت کا آدمی بھی ہو۔

نواب۔ (بظاہر اپنی بے پروائی جتانے کے لئے) نہیں پانچ کی لیاقت تو نہیں ہے۔

خلیفہ۔ پانچ سو کیسے سو روپیہ پر بھی گراں ہیں۔

نواب۔ ہاں بس یہی سو ڈیڑھ سو۔

خلیفہ۔ بس آپ نے حد کی بات کہہ دی۔ ڈیڑھ سو سو فرمائشات۔ ہم یہی سمجھ کے گئے تھے کہ سو

روپیہ ماہوار تنخواہ دی جائے گی۔ اور پچاس روپیہ اوپر سے خرچ ہوں گے مگر وہ تو پٹھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دیتیں۔

نواب۔ (دل کا مالک، اندر سے مگر ابری دل سے) دفان کرو۔

خلیفہ۔ جی ہاں۔ دفان کیجئے دیکھئے ایک اور معاملہ ہے اسے دیکھ لیجئے۔

نواب۔ کہاں؟

خلیفہ۔ اب کہاں بتاؤں؟ دکھا دوں گا۔

نواب۔ اس سے اچھا ہے۔

خلیفہ۔ اچھا کیسا۔ یہ اس کے سامنے لونڈی مطوم ہوگی۔

نواب۔ اور تنخواہ کیا لے گی۔ کچھ کم بہ ہو جائے گی۔

خلیفہ۔ پہلے دیکھ لیجئے اس کے بعد گفتگو کی جائے گی۔

نواب۔ اچھا تو آج ہی بلوا بھیجے۔

خلیفہ۔ حضور آج کیسا دس دن میں بھی ممکن نہیں۔ کیا کوئی کسی خانگی ہے۔ گھر گرہست ہے

نواب۔ پھر کیونکر دکھا دیجئے گا۔

خلیفہ۔ ہم تو کسی نہ کسی طرح دکھا دیں گے

نواب۔ تو پھر کب۔ اٹنے کہنے سے یہاں تو اشتیاق ہو گیا۔ رات بھر نیند نہ آئے گی۔ اور آپ

لیٹ و لعل کرتے ہیں۔ پھر کیونکر بات بنے۔

✓ خلیفہ۔ حضور ابھی آپ نا تجربہ کار ہیں۔ عشق بازی کے یہی تو مزنے ہیں۔ جس قدر فراق کا الم زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی لذت وصال کی بڑھ جاتی ہے۔ ابھی تو آپ عشق کے کوچے میں داخل بھی نہیں ہوئے۔ اور نہ جو انان بازاری سے آپ نے تعلقات کئے۔ یہ عشق نہیں ہے۔ ان سے عشق ہی کیا دس کی جگہ بیس خرچ کئے۔ یہ ہاتھ جوڑنے لگیں۔ عشق بازی کا لطف پردہ نشینوں سے ہے برصوں انتظار ہے۔ پیغام و سلام ہے۔ وعدے و وعید ہیں۔ ناکامیاں ہیں۔ بے تائیاں۔ اختر شمار یاں۔ اضطراب شوق ہے۔ لذت ذوق ہے۔ غرض کہ جو جو مزنے عشق پردہ نشین میں ملتے ہیں۔ شاہدان بازار سے اُس کا ایک شرمہ بھی امکان میں نہیں۔ پھر لطف یہ کہ اگر عشق پردہ نشین میں کامیابی ہو گئی۔ اور وہ قابو میں آگئی۔ پھر کیا ہے۔ عمر بھر نباہ دیتی ہیں۔ شاہدان بازاری بے وفا ہوتے ہیں۔ ایک ان کی یہ عادت ہے کہ جن کی نوکر ہیں اُس کے خدمت گار سے اٹکی ہوئی ہیں۔

نواب۔ مگر پردہ نشین کے عشق میں مشکلیں ہیں۔ اس کے لئے مدت چاہیے۔ اتنی فرصت کسے؟ خلیفہ۔ جب جذبہ کامل ہو تو سب مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ دیر ضرور ہوتی ہے۔ مگر آپ نے سنا ہو گا دیر آید درست آید۔ اور فرصت کو جو کہئے تو آپ کو کام ہی کیا ہے بیکاری محض اُس سے ہی شغل کیجئے۔ دل تو ایک طرف اُبھار رہے گا۔

نواب کے دل پر اس جادو بھری تقریر نے اپنا پورا اثر کیا۔ طبیعت پہلے ہی سے متعہ تھی اب اس اشتغال سے بالکل ہی آمادہ ہو گئی نادیدہ عاشق بن گئے اس لئے کہ خلیفہ جی کا اعتقاد اُن کے دل پر جما ہوا تھا۔ اُن کی ایک ایک بات کو وحی آسانی سمجھتے تھے۔ بادشاہ باغ میں اس وقت شہر کی اکثر نڈیاں جمع تھیں۔ نواب ایک ایک کی طرف اشارہ کر کے خلیفہ سے پوچھتے تھے ایسی ہے ویسی ہے۔ خلیفہ جی ہر ایک سے اس کو فوق دیتے ہیں۔ نواب صاحب حسن مثال کے تصور میں محو تھے اکثا نمبر اول کی بوتلیں برف۔ سوڈا المنیڈ۔ ولایتی نازنگیاں یہ سب سامان ہمراہ تھا۔ دوڑ جاتا جاتا تھا خلیفہ خود دھاوت پینے والوں میں تھے اور تکلیف یہ کہ بوتلیں کی بوتلیں خال ہو جائیں مگر ان پر نشہ کا اثر

نہ ظاہر ہو۔ نہ قدم بگڑا۔ نہ زبان لٹکھڑا۔ ہاں البتہ آنکھیں کسی قدر چڑھا دی گئیں تھیں۔  
 نواب صاحب کو بھی اچھی مشق ہو گئی تھی۔ شراب کا اثر تخیل (دماغ) پر زیادہ ہوتا ہے۔ انسان جس  
 چیز کا تصور کرتا ہے ویسا ہی ہو جاتا ہے۔ نواب اس وقت ہمہ تن عاشق بنے ہوئے تھے۔ غرض کہ  
 عجب لطف تھا۔ آٹھ نو بجے رات تک یہ سیر ہی اس کے بعد گھر پر آئے۔ خاصہ تیار تھا۔ نو بجے دسترخوان  
 بچھایا گیا۔ نواب صاحب خلیفہ جی اور منتخب مہاجین نے کھانا کھایا۔ کھانے کے ساتھ ہی دور چلتا  
 جاتا تھا۔ کھانا کھاتے کھاتے نواب پر خواب غفلت کا نسلط ہو گیا۔ خدمت گاروں نے اٹھ کر پلنگہ ہی  
 پر اٹھا دیا۔ خلیفہ جی گاڑی کسو کے اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔ رات کو تین بجے نواب کی آنکھ کھلی۔  
 خدمت گار کو پکارا۔ اُس نے دو گلاس برف آب پلائے۔ ایک دور شراب کا اور دیا۔ پھر نیند آگئی  
 اب جو سوئے تو دن کو آٹھ بجے آنکھ کھلی۔ جب تک نواب نے غسل کیا۔ شب خوابی کی پوشاک اتاری  
 چار تیار ہوئی۔ اتنی دیر میں خلیفہ بھی بوجھ گئے۔ دونوں نے ایک ساتھ چارپائی۔ طبیعت چاق ہوئی  
 وہی رات کی باتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

نواب۔ کہئے وہ رات کی بات۔

خلیفہ۔ رات کی بات گئی رات کے ساتھ۔ میں نے تو صرف اُس رنڈی کی طرف سے آپ کا  
 دل پھیرنے کے لئے ایک بات سمجھا دی تھی۔ آپ کو یقین آگیا۔

نواب صاحب نے اس کا وہی جواب دیا جو جانعام نے طوطے کو دیا تھا۔

نواب۔ جی ہاں وہ جھوٹ تھا۔ تو یہ کب سچ ہے۔ اے بس مذاق نہ کیجئے۔ لہذا آج اس جان جہاں  
 کی صورت ایک نظر دکھا دیجئے۔

خلیفہ۔ اُن سی بیٹائی۔ کہیں صورت دیکھ لیجئے گا تو نہیں معلوم کیا حال ہو گا۔ اچھا خیر کیا یاد  
 کیجئے گا۔ آج ہی اُس کی صورت آپ کو دکھا دوں گا۔

نواب۔ تو کس وقت سواری کو حکم دید دیجئے۔

خلیفہ۔ چار بجے۔

اور حسرت ابھی نہیں دل میں

ایک نظر دیکھنے کا ہوں مشتاق

عاشق کی حسرتیں رفتہ رفتہ ترقی کرتی ہیں جب کسی حسین کا تذکرہ کسی سے سنا پہلے تو صرف اتنی آرزو ہوتی ہے کہ ایک نظر اسے دیکھ لیں جب ایک نظر دیکھنا نصیب ہوا تو اب یہ ارمان پیدا ہوا کہ وہ ہمیں دیکھ لے۔ جب یہ مرحلہ بھی طے ہوا تو اب ہکلامی کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہوا تو وہاں تک پیام پہونچانے کی دھن ہے۔ غرض کہ کسی نہ کسی طرح اظہار عشق ہو۔ اس کے بعد مدعا بے دل کا اظہار یہ مقام سخت مشکل ہے کہ ”دونوں نظروں پر قسمت کا فیصلہ ہے۔“ ”ہاں“ یا ”نہیں“ اگر اقرار ہوا تو اب وعدہ ہوا۔ مدتین ایفا بے وعدہ کے انتظار میں گزر گئیں۔ اس پر بھی وصال ہو یا نہ ہو۔ اور اگر وصال بھی ہوا تو پھر کیا ضرور ہے کہ دائمی ہو۔ ایک شب کہیں اتفاق سے برگشتہ مقدور راہ پر آگیا۔ پھر وہی فراق۔ وہی انتظار وہی شب بے تار۔ وہی نالہ بے زار۔ در صورت انکار اگر بڑے سخت جان ہوئے۔ اور اسی وقت دم نہ نکل گیا تو ایک عمر مرنا ہڑا۔ اب دیکھئے نواب کی تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ چار بجے سوار ہوئے گاڑی خلیفہ جی کے اشاروں پر روانہ ہوئی۔

میری آنکھیں نصیب ہوں روزانہ دلوار جاناں میں

کوئی تجویز اے مہاراجہ بر محل نکلے

کشمیری محلہ۔ منصور نگر۔ کاظمین۔ یہ سب محلے طے ہوئے۔ دیانت الدولہ کی کربلا کے پاس گاڑی رکی۔ نواب صاحب۔ خلیفہ جی۔ اور ایک خدمت گار گاڑی پر سے اُترے۔ سڑک کی بائیں طرف ایک گلی میں روانہ ہوئے۔ نیچ در نیچ گلیوں میں سے ہوتے ہوتے خدا جانے کہاں سے کہاں جانے لکے خدمت گار اگرچہ خلیفہ جی کا آدروہ تھا مگر پھر بھی احتیاطاً اسے ایک مقام پر ٹھہرا دیا۔ اب یہاں سے نواب صاحب اور خلیفہ ایک تلی سی گلی میں روانہ ہوئے۔ یہ گلی ایک نالے پر ختم ہوئی۔ اُس نالے میں سے ہو کے پھر

کئی گلیاں طے کیں۔ اب دیرانہ رات۔ اس میں ایک پختہ مکان تھا۔ مگر بہت ہی بوسیدہ۔ جا بجائے شکستہ اس مکان کے برابر ایک اور چھوٹا سا مکان تھا۔ مفصل خلیفہ جی نے جیب سے کنجی نکال۔ قفل کھولا۔ نواب صاحب کو اندر لے گئے۔ لکڑی کا زینہ لگا ہوا تھا۔ اُس پر سے کوٹھے پر چڑھے۔ ایک چمپر سا بڑا ہوا تھا۔ اس چمپر میں ایک چٹائی پڑی ہوئی۔ یہاں دونوں صاحب بیٹھے۔ جہاں پر بیٹھے تھے۔ اُس کے قریب دیوار میں ایک روزن تھا۔ خلیفہ جی نے کہا اس روزن سے آنکھ لگا کے قدرت خدا کا تماشہ دیکھئے۔ نواب صاحب نے روزن سے آنکھ لگا کے بھانکا۔ سامنے پختہ مکان کا دالان تھا۔ اُس میں تختوں کا چوکا لگا ہوا تھا۔ گاؤ تکیہ سے لگی ہوئی ایک بڑی بی بی بیٹھی ہوں تھیں۔

نواب صاحب۔ ایک بڑا فیاضانہ بیٹھی ہے۔

خلیفہ۔ میں دیکھوں۔

خلیفہ نے کہا۔ پھر دیکھئے۔ میں ابھی آتا ہوں۔ نواب صاحب روزن دیوار سے نظر لگا کے پھر دیکھئے آخر وہ ماہ پیکر نظر آئی۔ اور نواب صاحب کی خوش نصیبی سے اسی طرف منہ کر کے بیٹھی نواب صاحب دیکھتے ہی غمخ ہو گئے۔ بری کی صورت تھی۔ چمپی رنگت۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ سوتواں ناک پتلے پتلے ہونٹ۔ نازک نازک نقشہ چہرہ۔ بدن بوٹا سا قد۔ مناسب اعضا۔ مٹھتی جوانی ہم تو اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ سود و سو حسینوں میں ایک حسین تھی۔ مگر نواب صاحب کو روزن دیوار سے جو عالم نظر آیا ہو گا اسکا حال نواب صاحب کے دل سے پوچھئے۔ یا خلیفہ جی کی زبان سے سنئے۔

نواب۔ واللہ کیا پیاری صورت ہے۔

خلیفہ۔ خیر یہ کہے منظور نظر ہے یا نہیں؟

نواب۔ میرا تو ابھی سے دم نکلا جاتا ہے ہائے اس کا وصال بھی ممکن ہے؟

خلیفہ۔ ممکن ہے۔ مگر عزت دار لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ بڑی دقت سے راضی ہوں گے۔ کچھ اس نظر سے تو آپ کو دکھایا نہ تھا۔ آپ تو اس رنڈی کو لاشانی بکھتے تھے اب کہئے

نواب۔ اب اس کا ذکر ہی نہ کیجئے۔ کجاوہ۔ اور کجایہ۔ واقعی کوئی نسبت ہی نہیں۔ میں نے

تو بھی ایسی صورت نہیں دیکھی۔ مگر اب تدبیر وصال بتائیے۔

خلیفہ۔ کہہ تو دیا۔ دشوار۔ بلکہ قریب بہ نال۔

نواب۔ جو کچھ ہو۔

خلیفہ۔ اچھا تو اس وقت اس گفتگو کا موقع نہیں۔ خوب جی بھر کے دیکھ لیجئے۔ پھر کچھ نہ کچھ تدبیر کی جائے گی۔ آگے آپ کی قسمت۔

نواب۔ ہائے ایسا تو نہ کہئے۔ آپ تو ابھی سے کلیجہ پھاڑے دیتے ہیں۔ جی بھر کے دیکھنا کیسا۔ اگر زندگی بھر دیکھا کہ تو بھی جی نہ بھرے۔

خلیفہ۔ اب گھر چلئے شام ہوتی ہے۔ اور یہ راستہ بھی ٹھیک نہیں۔ یہاں دن دھاڑے کپڑے بچھن جاتے ہیں۔

نواب۔ سہم کے۔ خدا کے لئے ایک نظر تو اور دیکھ لینے دیجئے۔

خلیفہ۔ اچھا جلدی سے دیکھ لیجئے۔

نواب صاحب کی نگاہیں روزِ دیوار سے ہٹتی ہی نہ تھیں۔ خلیفہ جی مشکل اٹھاکے لائے راستہ میں نواب صاحب اگرچہ اس وقت بہت پئے ہوئے نہ تھے۔ مگر متوالوں کی سی۔ چال چل رہے تھے۔ قدم رکتے کہیں تھے پڑتا کہیں تھا۔ بہ شکل اتنی راہ طے ہوئی راستہ سے خدمت گار کو لیا۔ گاڑی پر آئے کوچبان نے گاڑی کی لالٹینیں روشن کیں۔ خدمت گار نے بوتل کھولی ایک ایک دور چلا اس کے بعد روانہ ہوئے۔ منصورنگر سے ہوتے ہوئے غاس پھونچے وہاں سے تال کٹورے کی کربلا کی طرف گاڑی موڑ دی شام کو اکثر روز حضرت گنج کی طرف جایا کرتے تھے۔ مگر آج خلیفہ جی عہدِ ادیرانے کی طرف لے چلے تاکہ نواب صاحب کے دماغ میں وہ خیال خام پختہ ہو جائے حسب معمول آٹھ بجے تک ادھر ادھر پھرتے رہے نو کے عمل میں مکان پر واپس آئے۔ نواب صاحب کا زخم تازہ تھا متصل آہ سردیہم فریاد خلیفہ جی نے جب یہ رنگ دیکھا اور یہی راہ پر چلے بے پروائی نظر کرنے لگے۔ غرض کہ وہی گھنٹے میں نواب کو اچھی طرح کس لیا کامیابی کی چھال تک نہ دی۔ نوجوان امیر زادہ مرغِ بسمل کی طرح پھڑک رہا تھا

اور ظالم خلیفہ اپنی لگا رکھاری سے خوش ہو ہو کے اور بھرکارا ہوا تھا۔ آج شب کو نواب نے غذا میں تقلیل کی۔ شراب بہت سی پی۔ مگر عالم خیال میں قیامت کا تلاطم تھا۔ اس لئے نشہ کا اثر بالکل نہ ہوا۔ خلیفہ دس بجے رخصت ہوئے۔ نواب صاحب رات بھر ماہی بے آب کی طرح تڑپا کئے۔ مشکل دو بجے شب کو نیند آئی۔

حکیم صاحب کے گھر پر آج کسی کے آنے کا انتظار ہے میاں نبی بخش مصروف اہتمام ہیں تختوں کے چوکے پر چاندنی بدلی گئی ہے۔ مسند تکیہ قرینہ سے لگایا گیا ہے۔ دو کنول کمرے میں روشن کئے گئے ہیں خاصہ ان میں چاندی کے ورق کی گوریاں بھی ہوئی ہیں۔ احاطے میں دم فافوس زمین میں نصب کئے گئے ہیں۔ خود حکیم صاحب کے گھاٹھ دیکھنے کے لائق ہیں ولایتی چکن کاکرتہ۔ جامدانی کا انگرکھا بزم شروع کلا پا جامہ۔ زر و مخمل بوٹ۔ قمقمہ دار لٹوپا ایک ذرا کھسی ہوئی ہے۔ داڑھی خور دینی کتروانی گئی ہے موچھوں میں ایک سفید بال بھی نظر نہیں آتا۔ ہلکا سرمہ بھی آنکھوں میں دیا گیا ہے تیل پٹوں سے ٹپک رہا ہے۔ عطر میں ہر تن غرق ہیں سوا اکٹھ بچے کے قریب گاڑی کی گھر گھر اہٹ کی آواز آئی میاں نبی بخش دوڑے۔ حکیم صاحب بیقرارانہ مسند سے اکٹھ کھڑے ہوئے گاڑی احاطہ کے قریب تھمی۔ بی مہری ہانپتی ہوئی اتریں۔

مہری۔ (حکیم صاحب سے) برف ہے؟

حکیم صاحب۔ ہاں موجود ہے۔

نبی بخش چاندی کی لٹپہ میں برف بنا کے لائے۔ بی مہری گاڑی کے پاس لے کے گئیں۔ مہری لٹپہ گاڑی میں دے کے واپس آئیں۔ چاندی کا خاصہ ان لے گئیں۔ وہ بھی گاڑی میں غائب ہوا دوسرے پھیرے میں چاندی کی گڑا گڑی جو میاں نبی بخش نے پہلے سے بچر کے رکھ دی تھی۔ لے گئیں۔ حکیم صاحب منتظر ہیں کہ حکیم صاحب اتر کے آئیں گی۔ مسند تکیہ پر کنولوں کی روشنی میں جلوہ افروز ہوگی۔

مگر یہ کچھ نہ ہوا۔ چند لمحہ کے بعد مہری جو آئیں تو حرف رخصت زبان پر لائیں۔ حکیم صاحب اندر کی سانس اندر اور باہر کی سانس باہر سن سے ہو گئے۔

حکیم صاحب۔ تو کیا اتریں گی نہیں۔

مہری۔ نہیں اس وقت گرمی بہت ہے دیر سے سوار ہوئی ہیں۔ ابھی ایک جگہ اور جانا ہے اس کلمہ نے حکیم صاحب کے دل پر نشتر کا کام کیا مگر وہ یہی کیا سکتا تھا۔

مہری۔ میں کوئی گھنٹہ بھر میں سواری پہنچا کے آتی ہوں۔ آپ کہیں جایئے گا نہیں۔ حکیم صاحب کچھ اُدھر کے پیغام کے منتظر تھے۔ مگر مہری نے اس وقت تک ایک کلمہ بھی ایسا نہ کہا جس سے کچھ دل کو تسکین ہوتی چلتے چلتے پھولوں کا گہنا نقری چنگیر دان سمیت اٹھالیا اور یہ جاوہ جا۔ گاڑی میں جا بیٹھیں۔ گاڑی چل نکلی حکیم صاحب اس فکر میں ہیں افسوس سونے کی چڑیا جال کے قریب آ کے بیٹھی۔ دانہ کھایا اور پھر سے اڑ گئی۔ اتنے میں نبی بخش سامنے آ گئے ہوئے آئے توجی جلاتے ہوئے آئے۔

نبی بخش۔ بایں دم بھر نہ ٹھہریں ہم نے تو جانا تھا۔ گھڑی دو گھڑی بیٹھیں گی۔ بات جیت ہوگی آپ سے سامنا ہوگا۔ وہ تو کھڑی سواری آئیں۔ اور روانہ ہو گئیں۔ حکیم صاحب۔ یہ بی مہری کی کارستانی ہے۔

نبی بخش۔ (بات کا پہلو بدل کے) مہری کا کیا قصور۔ معام ہوتا ہے۔ کوئی ضروری کام تھا گاڑی نواز گنج کی طرف گئی ہے۔ خیر پھر آئیں گی۔ اور یہ خاص دان اور گڑ گڑی بھی لیتی گئیں؟ حکیم صاحب۔ کیا ہرج ہے؟ چنگیر دان بھی تولے گئیں۔

نبی بخش۔ او چنگیر دان بھی گیا۔ اچھا۔ تو کوئی دوسری رقم لے گئی ہیں۔

حکیم صاحب۔ دل میں اندازہ کرنے لگے۔ واقعی اتنے ہی کا مال تھا۔ اب دیکھو واپس بھی آتا ہے یا نہیں واپسی کی فکر اس لئے تھی کہ یہ سب اسباب مانگے کا تھا۔ اگر واپس نہ آیا تو مالک مال سے کیا کہا جائے گا۔ بہر صورت اب تو گیا۔

حکیم صاحب نے یہ اندازہ دل ہی دل میں کیا تھا۔ مگر نبی بخش تو ایسے آدمی تھے کہ جو حکیم صاحب

کے دل میں ہو وہ ان کی زبان پر جاری ہو جائے۔

نبی بخش۔ خیر جانے دیجئے انشاء اللہ کچھ لے کے آئے گا۔

حکیم صاحب کو اس وقت یہ باتیں کچھ ایسی اچھی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ بہت جھنجھلائے ہوئے بیٹھے تھے اس لئے کہ وعدہ یہ ہوا تھا کہ بیگم صاحب آئیں گی۔ دو تین گھنٹہ تشریف رکھیں گی۔ خاصہ نوش فرمائیں گی۔ آج ہی کل مرحلے طے ہو جائیں گے یہاں یہ کچھ بھی نہ ہوا۔

حکیم صاحب۔ لے کے کیا آئے گا؟ یہ کہتے کیا ہو۔ شاید افیم زیادہ ہو گئی۔

نبی بخش۔ بیگم صاحب کو لے کے آئے گا۔ افیم آپ کی سلامتی میں کہاں زیادہ ہوتی ہے۔ وہی دوپہر کو دھیلے کی پی تھی۔ دوڑتے دوڑتے پاؤں ٹوٹ گئے۔

حکیم صاحب کچھ کہنے کو تھے کہ اپنے میں بی مہری سامنے سے نمودار ہوئیں۔ اور حکیم صاحب کی صورت دیکھتے ہی۔

مہری۔ مبارک ہو۔ لے انعام دلوا دیے۔

حکیم صاحب۔ یہ مبارکی کا ہے کہ۔ انعام کیسا اچھا ہوا ہی کیا ہے۔

مہری۔ ہاں اب کیسا ہے۔ یہ تو کہنے ہی گا۔ آپ تو ابھی سے ایسی باتیں کرنے لگے پھر بے گھوڑے

یہیں سے ایسے میں سویرا ہے۔

مہری کی یہ تقریر ایسی نہ تھی کہ حکیم صاحب کا مزاج درست نہ کر دیتی۔ اس لئے کہ یہ بیٹھے ہوئے تھے

کہ سونے کی جڑ یا کارڈرانا اور دام میں پھنسا دینا ان کے اختیار میں ہے۔

حکیم صاحب۔ کچھ کہو تو کیا ہوا۔

مہری۔ کہتے تو ہیں۔ سب بات ٹھیک ٹھاک ہو گئی۔ ابکی نوچندی کو تال کٹورے کی کر بلائیں آپ

کو بلا یا ہے۔

حکیم صاحب۔ تم نے تو کہا تھا وہ اتر کے آئیں گی۔ تھوڑی دیر بیٹھیں گی ہم نے یہاں کھانا دانا تیار

کرایا تھا۔ کشتیاں لگی رکھی ہیں۔

مہری۔ اسی لئے تو میں آئی ہوں۔ مزدور بلوایئے۔ یہ سب ساٹھ کر دیکھئے میں نے سب کہہ دیا ہے۔  
حکیم صاحب۔ یہاں آکر کے کیوں نہ آئیں۔  
مہری۔ دیکھو تو بنی بخش ان کی کیسی کیسی باتیں ہیں۔ لاکھ کچھ ہو۔ پھر عورت ذات ہیں۔ گھر سے  
یہ ہی ارادہ کر کے چل تھیں۔ یہاں پہونچ کے ہواؤ نہ پڑا بچکا گئیٹں۔ ایک دن کے سو ساٹھ دن ہیں۔  
پھر آئیں گی۔

حکیم صاحب۔ پھر کیا کہتی ہو۔ سب بات ٹھیک ٹھاک ہو گئی۔ نہ انھوں نے مجھے دیکھا نہ میں نے  
انھیں دیکھا۔ اور سب بات ٹھیک ٹھاک ہو گئی۔ تم بھی کیا آدمی ہو۔  
مہری۔ دیکھا کیوں نہیں جب آپ نیم کے پاس کھڑے تھے انھوں نے اچھی طرح دیکھا۔  
بنی بخش۔ پھر کیا کہا۔  
مہری۔ کہتی کیا؟

بنی بخش۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے حکیم صاحب کو پتہ بھی کیا؟  
مہری۔ پسند کیوں نہیں کیا۔ کہتی تھیں ابھی تو ایسے بڑے نہیں ہیں۔  
حکیم صاحب اس فقرے سے کچھ ایسے خوش نہیں ہوئے۔ اس لئے کہ اپنے زعم میں جو ان رعنا تھے۔  
اور یہ فقرہ واقعیت کا پہلو لئے ہوئے تھا حکیم صاحب کے ماتھے پر شکن پڑے ہی کو تھی کہ بنی بخش نے جوڑ  
کا توڑ کیا۔ اور نیم صاحب ماشاء اللہ سے کب جوان ہیں۔

مہری۔ یہ میں کب کہتی ہوں۔ جوان تو نہیں ہیں۔ مگر ماشاء اللہ سے میری آنکھوں میں خاک ابھی  
جوانوں سے اچھی ہیں۔ ایک بال سر میں سفید نہیں۔ چہرے پر ایک جھری کا نشان تک نہیں۔ امیرزادیاں  
کہیں بڑھی ہوتی ہیں۔

بنی بخش۔ یہ سچ ہے۔ اچھا تو میں سو بات کی ایک بات کہہ دوں۔ اچھا خاصہ جوڑ ہے۔  
مہری۔ ہاں آں۔ اجی لاکھ روپیہ کی ایک بات تو یہ ہے کہ مرد ذات کی صورت کیا خوبصورتی تو عورت  
کے لئے چاہئے ہے۔

اس تقریر پر بنی بخش اور مہری کی بحث کا فیصلہ ہو گیا۔

کھانا رکابیوں میں نکلنے لگا۔ رکابیاں خوانوں میں چنی گئیں۔ کشتیاں پہلے ہی سے سچی سچائی رکھی تھیں (پھولوں کا گہنا مہری پہلے ہی لیجا چکی تھی) بنی بخش چار مزدور نیاں بلا لائے۔ خوان کسٹوں میں کسے گئے۔ اوپر سے خوان پوش ڈالے گئے۔ کشتیوں پر کشتی پوش بڑے۔ بنی مہری انعام کے لئے جھلکوانے لگیں۔ مگر اس کا فیصلہ صبح برٹھہر امیاں بنی بخش بی مہری کے ساتھ ہوئے خوان کشتیاں روانہ ہوئیں۔ حق بحق دار رسید۔

دل لگانے کو نہ بھو دل لگی۔

دشمنوں کی جان پر بن جائے گی

ہمارے بھوٹے بھالے نواب صاحب کو اپنے پہلے پہل دل لگانے کا اتفاق ہوا ہے ہر دہ نشینوں کے عشق میں ہزاروں آفتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ لاکھ تدبیروں سے ایک تھکلی نظر آتی ہے اس پر یہ ستم کہ اگر کسی نے جھانکتے تاکتے دیکھ لیا بدنام ہوئے۔ لوگ دشمن ہو گئے اپنے بیگانوں کی نظروں سے گر گئے۔ اعتبار جاتا رہا اور اگر کسی نے نہ دیکھا خود اپنا نفس ملامت کرتا ہے جس کو نفس لوا مہ کی زبرد تو نیچ کا حس و مس نہیں۔ اُس کو اہل اخلاق مردہ سمجھتے ہیں۔ اگرچہ بظاہر زندہ ہو۔ مگر نہ ہم چھوٹے نواب صاحب کے اتالیق۔ اور نہ خلیفہ جی کے نصیحت گر۔ ہم کو صرف واقعہ نویسی سے کام ہے۔

القصد دوسرے دن چھوٹے نواب خلیفہ جی کی منت سماجت کر کے اس مکان خال میں لے گئے نواب صاحب نے روزن دیوار سے جھانک کے دیکھا۔ مکان خال بڑا اٹھا بڑی دیر تک دیکھتے رہے۔ نہ وہ تختوں کا چوکاٹھا۔ نہ بڑا مہیا تھیں نہ وہ پری پیکر۔

نواب۔ ہائیں یہاں تو کون نظر نہیں آتا۔

خلیفہ۔ کہیں گئی ہوں گی۔ ذرا ٹھہرے۔

نواب۔ اور وہ تختوں کا چوکا بھی تو نہیں۔ یہ تو جیسے مکان خال پڑا ہے۔ وہ گھڑے ٹوٹے ہوئے سامنے پڑے ہیں۔ یہ ماجرا کیا ہے۔

خلیفہ۔ (روزن میں دیکھ کے) ہاں سچ تو ہے۔ ہائیں یہ کیا ہوا۔ کیا یہ لوگ مکان سے اٹھ گئے خلیفہ جی اور نواب صاحب دونوں اس چھپرے سے باہر نکلے۔ خلیفہ جی نے پہلے ایک چھوٹی سی کنکری اس مکان کی طرف پھینکی۔ پھر ایک بڑا سا ڈھیللا پھینکا مطلب یہ تھا اگر کوئی مکان میں ہو گا تو غل مچائے گا۔ صدائے برخاست اس مکان کی دیواریں چھوٹی چھوٹی تھیں۔ خلیفہ جی اور نواب صاحب دونوں دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا تو مکان بالکل خال پڑا ہے۔ کافی چڑیا تک نہیں مکان بالکل منہدم تھا۔ صرف وہی ایک دالان باقی تھا۔ جس میں اُس دن وہ بڑھیا اور وہ نازنین نظر آئی تھیں۔

خلیفہ۔ اس مکان میں رہ کون سکتا ہے۔ یہ تو بالکل گرا ہوا ہے۔

نواب۔ پھر وہ لوگ اس میں کیونکر رہتے تھے۔

خلیفہ۔ یہی تو میں بھی حیران ہوں۔ (پھر کچھ خوفزدہ ہو کے) چپکے گھر چلیں۔ یہ تو کچھ عجیب ظلمات ہے

نواب۔ چلئے۔

دونوں صاحب مکان سے باہر نکلے۔

خلیفہ۔ چلئے ذرا اس مکان کو اندر سے دیکھتے چلیں۔

نواب۔ ہاں یہ تو آپ نے میرے دل کی کہی۔

خلیفہ اور نواب دونوں اس گھر میں گئے۔ کونا کونا دیکھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے یہاں کوئی

کبھی رہتا ہی نہ تھا۔ چولہا نہ جلکی کسی چیز کا نشان نہ تھا دالان کے طاق میں ایک کوری کا غدی

ہانڈی رکھی ہوئی تھی۔ نواب نے اسے اٹھا کے دیکھا۔ اس میں پانچ گوریاں ایک شالبات

کی صافی میں لپٹی ہوئی رکھی تھیں۔ اور سات پھول بیلے کے بڑے تھے۔ اور ایک بڑے کاغذ کا رکھا

تھا۔ گوریاں نہایت ہی نفیس بنی ہوئی عطر میں بسی ہوئی تھیں۔ دو پر سونے کا ورق لپٹا ہوا تھا

اور تین پرچانندی کا ورق تھا کاغذ کے پرچے پر کچھ نفس ایسا بنا ہوا تھا۔ ۴۶۴۲ ۴۱۳۶

نواب۔ میں نہ مانوں یہ کچھ اسرا ہے۔

خلیفہ۔ اس میں شک ہی کیا۔ ہنڈ گھر چلے۔ ہانڈی کو یہیں پٹخے خدا جانے کیا ہو گیا نہ ہو۔

نواب۔ ہانڈی تو میں لیتا چلوں گا۔ مگر یہ آپ اس مکان تک کیونکر پہونچے۔ میں نہ جانتا تھا آپ بڑے سخت دل کے آدمی ہیں۔

خلیفہ۔ اب یہ قصہ بیان نہ کروں گا۔ دل قابو میں آ لے تو کہوں۔

خلیفہ جی کی صورت اور آواز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی ڈر گیا ہو۔

دونوں صاحب گاڑی کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں خدمت گار ملا۔ نواب نے ہانڈی اس کو دے دی۔ تھوڑی دور جا کے خلیفہ نے کہا خوب یاد آیا مکان کی کنجی تو میر صاحب کو دیتا چلوں۔

نواب۔ میر صاحب کون؟

خلیفہ۔ جن کا وہ مکان ہے۔ جہاں سے آپ نے اُس پری (اب تو پری کہنا ہی چاہئے) کو دیکھا تھا

وہاں سے تھوڑی دور پر ایک گلی میں سے ہو کے میر صاحب کا مکان تھا۔ دونوں وہاں گئے۔ خلیفہ نے آواز دی۔ میر صاحب ایک بوڑھے سے آدمی نیل نگیل باندھے ہوئے گھر سے نکل آئے۔

خلیفہ۔ (میر صاحب سے) لیجئے حضرت یہ اپنے مکان کی کنجی لیجئے۔

میر صاحب۔ کیوں خیر باشد۔

خلیفہ۔ جی کچھ نہیں۔ میں نہ رہوں گا۔

میر صاحب۔ آپ رہتے یا نہ رہتے ایک مہینہ کا کریہ جو آپ نے دیا ہے واپس نہ ہوگا۔

خلیفہ۔ جناب میں کراہے سے باز آیا۔ آپ کا مکان آپ کو مبارک رہے۔

میر صاحب۔ آخر کچھ کہئے تو یہ آپ اس قدر برداشتہ خاطر کیوں ہیں۔ مجھ سے تو کچھ قصور نہیں ہوا

خلیفہ۔ اول تو دیر الے میں مکان ہے۔ وہ مکان جو اس کے برابر میں ہے اس میں کوئی رہتا

تھا وہ بھی اٹھ گیا۔ اب تو بالکل ہی اُجاڑ ہو گیا۔

میر صاحب۔ اس کھنڈر میں کون رہتا تھا۔ وہ تو برسوں سے خالی پڑا ہے۔ بھلا وہ کسی کے لئے  
کے قابل ہے۔

خليفة۔ میں نے سنا تھا اُس میں دو عورتیں رہتی ہیں۔ اسی سہارے پر میں نے مکان لیا تھا  
میرے گھر کی عورتیں بھی وہاں رہتیں۔ میں کسی دن آیا نہ آیا۔ خیر آبادی تو تھی۔  
میر صاحب۔ درست جناب اُس کھنڈر میں برسوں سے کوئی نہیں رہتا۔ آپ نے کس سے سنا  
تھا اس میں عورتیں رہتی ہیں۔ میرے بڑے بھائی کا وہ مکان ہے اگر کوئی رہتا ہوتا تو مجھے نہ معلوم ہوتا  
قصور معاف ہو آپ کو وہم ہے۔

خليفة۔ خیر ایسا ہی ہوگا۔ کبھی تو لیجئے۔

میر صاحب نے کبھی لے ل۔ خلیفہ اور نواب دونوں رخصت ہوئے۔ جس وقت خلیفہ اور میر صاحب میں  
گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک بزرگ اُس محلے کے رہنے والے سیاہ فام سے پستہ قد کھڑے سن رہے تھے۔ جب  
خليفة نے کبھی میر صاحب کو دی۔ اور وہ مکان میں چلے گئے وہ صاحب ساتھ ساتھ ہو لئے۔  
چند قدم آگے بڑھ کے وہ خلیفہ سے باتیں کرنے لگے۔  
وہ صاحب۔ وہ مکان آپ نے اپنے رہنے کو لیا تھا۔؟  
خليفة۔ جی ہاں۔

وہ صاحب۔ غضب کیا تھا۔

خليفة۔ کیوں۔

وہ صاحب۔ جناب اس کھنڈر میں اسرار ہے۔ راتوں کو گانے کی آواز آیا کرتی ہے۔ محرم میں ماتم  
ہوتا ہے۔ راتوں کو اکثر روشنی نظر آتی ہے۔ پھر صبح کو جاکے دیکھو تو کچھ بھی نہیں یہ تو محالہ بھر جاتا ہے اس  
میں جن رہتے ہیں آپ نے اچھا کیا مکان خالی کر دیا۔ اور کرایہ کیا دیا تھا۔

خليفة۔ ڈیڑھ روپیہ۔

وہ صاحب۔ اچھا تو آپ ڈیڑھ روپے سے ہاتھ دھویئے۔ اور اب کبھی اُس طرف کا رخ نہ کیجئے گا۔

خلیفہ۔ مگر میر صاحب کو دیکھئے ہم سے نہ کہا کہ مکان میں آسیب ہے۔ اور ابھر سے جھٹالتے ہیں۔ واہ کیا شرافت ہے۔

وہ صاحب۔ جناب وہ کیوں کہتے۔ اُن کا تو فائدہ تھا۔ ڈیڑھ روپیہ آپ سے کیوں کروصول ہوتا۔

خلیفہ۔ اپنا تو ڈیڑھ روپیہ کا فائدہ ہوا۔ اور دوسروں کی جان برباد ہوئی۔ وہ صاحب۔ اُن کی بلا ہے۔ اسی طرح جب کوئی پھنس جاتا ہے اُس سے کرایہ مار لیتے ہیں۔ اُس مکان میں حسرت کوئی ٹھہر ہی نہیں سکتا۔

خلیفہ۔ خیریت ہوئی کہ ابھی میں اپنا اسباب وغیرہ نہیں لایا تھا۔ وہ صاحب۔ مفت میں بار بار داری بڑھاتی میر صاحب کی دل لگی تھی۔ میری رائے میں تو ایسے مکان کو کھدوا کے زمین برابر کر دیا جائے۔ خلیفہ۔ جی ہاں درست ہے۔

اتنی باتیں ہوئی تھیں کہ وہ صاحب راستہ سے علیحدہ ہو گئے اور خلیفہ اور نواب میں گذشتہ واقعات پر گفتگو ہونے لگی۔

خلیفہ۔ سنا آپ نے یہ بھی عجیب معاملہ ہوا۔ نواب۔ مگر یہ تو کہئے آپ یہاں تک کیوں کر پہنچے۔

خلیفہ۔ بات یہ ہوئی کہ میں کوئی اکٹھ دس دن ہوئے ادھر سے جاتا تھا اس ٹوٹے مکان کے قریب پہونچ کے میری نظر اس ماہ جیس پر پڑ گئی۔ جب میرے اُس کے چار آنکھیں ہوئیں تو اُس نے مسکرا کے منہ پھیر لیا۔ اب مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ یہاں کس طرح رسائی کرنا چاہئے۔ یہ مکان مجھ کو خالی معلوم ہوا میرے جی میں آئی کہ یہ مکان کرایہ پر لے لوں۔ کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ بہتر ان کمڑی تھی میں نے اُس سے دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے۔ اُس نے میر صاحب کا پتہ دیا میں نے میر صاحب کے پاس جا کے مکان کرایہ پر لے لیا۔ یہ سب تدبیریں اپنے لئے کی تھیں۔

اُس دن بادشاہ باغ میں آپ اُس رنڈی کی تعریف کر لے گئے۔ یہ صورت میری نظر میں تھی میں نے کہا نواب صاحب کو ذرا ایک جھلکی دکھا دوں۔ اے لیجئے۔ یہاں یہ معاملہ نکلا چلے یہیں تک خیریت ہوئی۔

نواب۔ مگر کیا بلا کی صورت ہے۔ میری تو نظر سے ایسی صورت نہیں گذری۔ دانش کھجے پر ایک داغ ہو گیا۔

خلیفہ۔ اب اس کا خیال نہ کیجئے۔ اچھا ہوا۔ ابھی سے حال کھل گیا درنہ خدا جانے کیا آفت ہوتی مگر یہ آپ کا اقبال ہے کہ آپ نے بری کو آنکھ سے دیکھ لیا۔ کہیں یہ صورتیں دکھنا نصیب ہوتی ہیں بری کا حال قصہ کہانیوں میں سنتے تھے۔ یہاں آنکھوں سے دیکھ لیا۔ مگر ایک بات میں آپ کو بھلائے دیتا ہوں۔ لہذا اس کا ذکر کسی سے نہ کیجئے گا۔ اور ان گوریوں سے تو ایک اور بات مجھ میں آتی ہے۔ نواب۔ وہ کیا۔

خلیفہ۔ اس وقت کا کہنا میرا یاد رکھئے گا۔ وہ آپ سے کہیں نہ کہیں ملے گی ضرور۔ نواب۔ ہاں یہ بات تو میرے خیال میں بھی آتی ہے۔ عجیب نہیں مگر اُس پرچے میں خدا جانے کیا لکھا ہے۔

خلیفہ۔ لاپے دیکھوں۔

نواب۔ (جیب سے پرچہ نکال کے دیا) دیکھئے خدا جانے کون سا خطا ہے۔

خلیفہ۔ خطا جتنی ہے۔

دیکھئے میں کرامت علی شاہ صاحب کو لے آؤں گا وہ صاحب بڑھ دیں گے۔

نواب۔ ہاں ایسے بھی لوگ ہیں جو یہ خطا بڑھ لیتے ہیں۔

خلیفہ۔ جو لوگ عملیات وغیرہ کرتے ہیں۔ وہی بڑھ سکتے ہیں۔ آپ دیکھئے گا۔ کرامت علی شاہ

صاحب بڑے کامل ہیں۔ بلکہ وہ آپ کو اور کچھ حال بھی بتائیں گے۔ اس فن میں یکتا ہیں۔

نواب۔ دانش ہمارا شہر لکھنؤ لاکھ گیا گذرا ہے مگر اس میں ابھی ہر فن کا کامل موجد ہے۔ میرا کرامت علی